© rasailojaraid.com

شاہ جی بطور شاعر

سید عطاء اللہ شاہ بخاری ندیم

حضرت علامہ طالوت مرحوم

یہ مضمون شاہ جی کے مجموعہ کلام "سواطع الالہام" کے مقدمہ کے طور پر دسمبر ۱۹۵۴ء میں لکھا گیا۔ تب شاہ جی حیات تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جبکہ عرب قبائلی زندگی بسر کرتے تھے ہر قبیلہ کا ایک شاعر اور ایک خطیب ضرور ہوتا تھا۔ جس قبیلہ میں شاعر یا خطیب نہ ہوتا وہ کم مرتبہ خیال کیا جاتا۔ جس قبیلہ کے شاعر و خطیب بلند مرتبے کے مالک ہوتے وہ دوسرے قبائل سے سربر آوردہ خیال کیا جاتا۔ اس لئے شاعر قوم کا دل خیال کیا جاتا تھا۔ خطیب قوم کی زبان متصور ہوتا تھا۔ اور قبیلے کا سردار قوم کا دماغ، اور نوجوان اس کے دست و بازو شمار کئے جاتے تھے۔ دل جہاں نہ ہو وہاں دست و بازو اور دماغ کیا کام دے سکتے ہیں۔ اور زبان نہ ہو تو دل و دماغ کی ترجمانی کیونکر ہو۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ دل اور زبان کا کام ایک ہی شخصیت سے لیا گیا۔ اسلام آیا تو قرآن کے سامنے نہ شاعری کا زور باقی رہا اور نہ خطابت کا چراغ جل سکا۔ پھر بھی شعراء اور خطیب باقی رہے۔ مگر وہ عصبیت جاہلیہ کو بھڑکانے والے نہیں تھے بلکہ قرآن کے مبلغ اور اسلام کے مدافع تھے۔ اسلامی فوجوں میں دونوں کا وجود ثابت ہے اور یہ دونوں فوجی نظام کا ایک اہم جزو خیال کئے جاتے تھے۔ پھر جب اسلام ہر بلند و پست پر چھا گیا اور اس کی فوجیں فتح ممالک کے ساتھ ساتھ نظم ممالک کا کام بھی کرنے لگیں تو شعر و خطابت نے اپنی اپنی راہیں بدل دیں۔ شعراء نے مدح و ہجو کی راہ پر چل کر اگرچہ اپنی جیبیں بھر لیں۔ مگر اپنا وقار کم کر لیا۔ خطیبوں نے قوم کے بگڑتے ہوئے اخلاق کو سدھارنے کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔ اور اپنی عزت اگرچہ پہلے سے زیادہ کر لی مگر:

ع "چہ خورد بامداد فرزندم"

کے مسئلہ پر پہنچ کر ششدر رہ گئے۔ پھر محض قصاص اور پیشہ ور بن گئے جن کے متعلق:

ع "چوں بخلوت میروند آں کار دیگر مے کنند"

کا فتویٰ صادر کیا گیا۔ کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی رہے جنہوں نے کما کر کھانے اور حق کہنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ ممبروں پر بھی حق کہتے رہے اور جب ایسا وقت آیا کہ:

ع "بروار تواں گفت بہ ممبر نتواں گفت"

تب بھی انہوں نے حق کہنے سے دریغ نہ کیا۔ جب مشرق و مغرب سے عرب قیادت کا ٹاٹ لپیٹ دیا گیا تو شاعری نے عشق بازی کی رسوائی کو طرۂ امتیاز بنا لیا اور خطابت غیروں کے کام آنے لگ گئی:

ع "ایں ہم رفت و آں ہم رفت"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر کلیہ میں استثناء ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض صوفیاء اس دور میں بھی مستثنیٰ رہے۔ جنہوں نے شاعری کو رسوائی سے علیحدہ رکھا۔ اور خطابت کو قصہ گوئی سے بچا کر اغیار کی دست برد سے بھی محفوظ رکھا مگر ان کی حیثیت الشاذ کالمعدوم سے زیادہ نہ تھی۔

برعظیم پاک وہند میں اسلام گجرات کاٹھیاواڑ کے راستے سے داخل ہوا جہاں عرب اپنی تجارت کے سلسلے میں آمد ورفت رکھتے تھے۔ مگر اس کا نفوذ اس وقت جا کر پورا ہوا جب محمد بن قاسم سندھ کے راستے سے ملتان و لاہور تک فاتحانہ در آیا۔ پھر جب اسلام کے سیاسی سفیر معین الدین اجمیری نے دہلی، پنجاب اور راجپوتانہ کا دورہ کر کے شہاب الدین غوری کو بلایا تو یہ نفوذ اور بھی بڑھ گیا۔ کچھ دن اجمیری اور غوری کے جانشین مل کر کام کرتے رہے۔ مگر ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ ان کی راہیں الگ ہو گئیں۔ پھر بھی ایک دوسرے سے اتنا بُعد نہیں تھا کہ اجنبیت کا خیال گزرتا۔ کبھی اجمیری کے جانشین دہلی تک چلے جاتے اور کبھی غوری کے جانشین خانقاہوں تک قدم رنجہ فرمالیتے۔ خانقاہوں نے تخت و تاج کی حفاظت کی اور تخت و تاج نے خانقاہوں کو جاگیریں عطاء فرمائیں۔ اور دونوں:

"من تراحاجی بگویم تو مرا ملا بگو"

کے کوچہ میں پہنچ کر اپنے اصل مقصد سے دور ہو گئے۔ خانقاہوں میں تخت و تاج کے خلاف سازشیں شروع ہو گئیں۔ اور تخت شاہی پر سے اہل خانقاہ کی ترغیب و ترہیب کے لئے منصوبے تیار ہونے لگے۔

تلک الایام نداو لھابین الناس

کی صداقت نے کبھی اہل خانقاہ کا ساتھ دیا۔ اور کبھی تاج و تخت کا تا آنکہ مغل اعظم نے الحاد کے ساتھ ساز باز کر کے اہل خانقاہ کو مارکیٹ بدر کر دیا۔ مگر یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ مغل اعظم کے جانشین نے سرہند میں گھٹنے ٹیک دیئے۔ اور اہل خانقاہ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر پھر بلند و پست پر چھا گئے۔ اسی زمانہ میں مغرب کے دندان آز کی تیزی کی داستانیں بھی اس برعظیم تک پہنچنے لگ گئی تھیں۔ حکمت وطب کے چور دروازے سے گزر کر کچھ لوگوں نے اس برعظیم کی نفع بخشی کا جائزہ لیا تو اسی چور دروازے سے تجارت کی راہیں پیدا کی گئیں۔ تا آنکہ ایک وقت ایسا آیا کہ اہلِ خانقاہ تاج و تاخت سے بیزار ہو کر بالکل الگ ہو گئے۔ اور تاج و تخت بحیرہَ فرنگ کی موجوں میں ہچکولے کھانے لگ گیا۔ موجیں اگرچہ تند و تیز نہیں تھیں مگر تخت کی بوسیدگی اور ناخداؤں کی ہوا ناشناسی کی وجہ سے آخر یہ تخت ایسا غرق ہوا کہ اس کا ایک تختہ بھی کہیں ظاہر نہ ہوا۔

سر نگاپٹم کے پاس اس کا ایک کنارہ ذرا سا ظاہر ہوا بھی تو اُسے نظام دکن کی نظر کھا گئی اور:

بیک گردش چرخ نیلوفری
نہ نادر بجا ماند نے نادری

تخت و تاج سے نمٹنے کے بعد نئے حاکموں نے پہلے تو قانونِ خداوندی کو پورا کیا۔

ان الملوک اذا دخلوا قریتہً افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلتہً وکذالک یفعلون (القرآن)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بادشاہ جب (فاتحانہ) کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اسے برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور وہاں کے غالب لوگوں کو ذلیل بنا دیتے ہیں اور وہ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔

پھر جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ اہل خانقاہ جنھوں نے نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر مغلِ اعظم کے جانشینوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا ان میں ابھی اتنی جان باقی ہے کہ وہ قوم کو پھر میدان میں لا کھڑا کر سکیں گے۔ چنانچہ عیار حکمرانوں نے نظام خانقاہی میں سے کچھ لوگوں کو ترغیب کے جھکے دے کر اپنا ہمنوا بنا لیا اور دوسری طرف وہ کام شروع کر دیا جو فرعون نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا۔ مگر فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو "تلخ چھری" سے ذبح کرتا اور یہاں قوم کے بچے "میٹھی چھری" سے ذبح ہوتے اور میٹھی چھریاں بنانے کا سب سے بڑا کارخانہ اگرچہ علی گڑھ میں تھا مگر اس کی شاخیں ہر شہر اور قصبے میں موجود تھیں۔ جب بغیر بدنامی مول لئے قصاب خانوں اور مسلخوں سے زندہ لاشیں برآمد ہوئیں تو ان پر نوازشات کی بارش شروع ہو گئی۔ جسے دیکھ کر ہر شخص اپنے بچوں کو خود بخود ان مسلخوں میں داخل کرانے لگ گیا۔ اور اس طرح ان حاکموں کا کام آسان ہو گیا۔ مگر باوجود اس آسانی کے ان کا دل مطمئن نہ ہوا۔ اور خطرہ یہ تھا کہ اہل خانقاہ کا دوسرا حصہ جو ترغیب و ترہیب سے بے نیاز تھا برابر اپنے کام میں مصروف تھا۔ اور ہو سکتا تھا کہ ان زندہ لاشوں کے قلوب میں وہ ایمانی حرارت پیدا کر کے ان حکام کے خلاف انہیں استعمال کر لیں۔ اس لئے حاکموں نے تہیہ کر لیا کہ جس طرح ان لوگوں کی ظاہری کھال قصاب خانوں میں کھینچ لی گئی ہے کسی طرح ان کے قلوب میں سے ایمانی حرارت کا بھی خاتمہ کر دیا جائے اور یہ اس صورت میں ممکن تھا جب کہ الحاد کی برودت اس طرح ان کے دلوں میں داخل کر دی جائے کہ ایمان کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

چنانچہ پنجاب کے ضلع گورداسپور میں ایک خاص قسم کے کھیت ایک مخصوص قطعہ زمین پر تیار کئے گئے۔ اور وہاں ایک "تجرباتی فارم" بنا کر نئے اصول کے مطابق کاشت کے نئے تجربات کئے گئے۔ حتیٰ کہ ایک "خود کاشتہ پودا" ایسا نتیجہ خیز ثابت ہوا جس کے استعمال سے حرارت ایمانی کے لئے قلوب میں کوئی گنجائش باقی نہ رہتی تھی۔ اب ملک میں ہر طرف سے اس فارم کی شاخیں کھول دی گئیں۔ اور ہر جگہ یہی پودا کاشت ہونے لگا۔ جب ملک کے اندر اس کی پیداوار کافی ہو گئی اور وہ نفع آور بھی ثابت ہوئی تو یہ مال باہر منڈیوں میں بھی بھیجا جانے لگا۔ عرب، افریقہ، اور یورپ کی منڈیوں میں خصوصیت کے ساتھ یہ "مال" بھیجا جاتا تھا۔ یورپ میں تو صرف نمائش کی خاطر کہ دیکھئے ہندوستان کا مال کس قدر خوبصورت اور نفع بخش ہے اور عرب و افریقہ کی منڈیوں میں استعمال کی خاطر تاکہ وہاں کے لوگوں کے دلوں سے بھی حرارت ایمانی کا خاتمہ کیا جا سکے۔

یہ حالات تھے جب غیرت حق کو جوش آیا اور اس نے سرزمین پاک و ہند میں عرب کے باقیات الصالحات اور عربی آقا (فداہ ابی و امی) کے نام لیواؤں کو ایک شاعر اور خطیب عطاء فرمایا۔ تاکہ شاعر اپنے سوز اور خطیب اپنے ساز سے ان کے دلوں کو گرما کر پھر ان میں حرارت ایمانی پیدا کر سکیں۔ خطیب کی جادو بیانی ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ہو تو شاعر کا پیدا کیا ہوا سوز میدان میں کام نہیں دے سکتا۔ اور اگر شاعر کا سوز نہ ہو تو خطیب کی جادو بیانی اگرچہ اثر تو کرتی ہے مگر اسکا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔ سرد لوہے کو کوٹنے سے آج تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ البتہ لوہا گرم ہو تو لوہار کے لئے کام آسان ہو جاتا ہے۔ شاعر کا کام قساوت قلبی کو اشعار کی گرمی سے نرم کرنا ہے۔ اس کے بعد خطیب کا کام شروع ہوتا ہے کہ وہ اس سے کام لے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا۔

ان من الشعر لحکمۃً وان من البیان لسحراً

"کچھ اشعار حکمت بھرے ہوتے ہیں اور کوئی خطابت جادو گری کا کام کرتی ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے جب اسلامیان پاک و ہند کی اصلاح کے لئے نظر عنایت ملتفت فرمائی تو انہیں حکمت و سحر دونوں عطاء فرمائے تاکہ پہلے حکمت زمین تیار کرے اور اس کے بعد جب یہ معلوم ہو کہ

ع یہ مٹی بہت زر خیز ہے ساقی

تو خطیب کی ساحرانہ طاقت بروئے کار آ کر قوم سے کام لے۔ آپ کو معلوم ہے کہ حکمت کے علمبردار ہمارے ہاں حکیم الامت علامہ اقبال رحمہ اللہ تھے۔ جنہوں نے اپنی حکیمانہ شاعری سے الحاد زدہ سنگین قلوب کو موم کی طرح نرم کر دیا۔ اور جن کی شعلہ نوائی نے پاک و ہند کی تاریکیوں میں قندیل کا کام دیا

ترے لئے ہے مرا شعلہ نوا قندیل

اور ان من البیان لسحراً کا مصداق پیکر خطابت خطیب الامت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری ہیں۔ جن کی جادو بیانی اپنوں بیگانوں سب کے ہاں مسلّم ہے اور جو

"لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف"

کا پورا پورا مصداق ہیں۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ کے حلقۂ اثر میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے ان کے پیغام اور ان کی حکمت کی تشریح کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ کیونکہ یہ کام آم کے آم گٹھلیوں کے دام کا مصداق ہے۔ ہم خرما و ہم ثواب، اچھا کام بھی کرو اور تصنیف و تالیف کے دام بھی پلے باندھ لو۔ دام نہ ملے تو شہرت تو کہیں گئی نہیں۔ مگر بخاری کی خطابت کی تشریح اور ان کے مقاصد کا بیان کچھ آسان کام نہیں ہے۔ گو ان کے حلقۂ اثر نے جادو بیان خطیب تو پیدا کئے مگر آج تک انہیں ایک بھی ایسا آدمی نہ مل سکا جو ان کی ساحری کو صفحات قرطاس پر ثبت کر کے زاد تاریخ بنا سکتا۔ جس سے آنے والی نسلیں بھی بہرہ اندوز ہو سکتیں۔ اور یہ اس لئے کہ ایک تو یہ کام آسان نہیں اور دوسرے گٹھلیوں کے دام تو الگ رہے یہاں تو آموں کے دام وصول ہونے کی بھی امید موہوم ہے۔ اور پیٹ میں روٹی یا بدرجہ آخر خرما کے دو چار دانے نہ پہنچیں تو نرے ثواب کو کوئی اوپر اوڑھے یا نیچے بچھائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج تک بخاری پر کچھ زیادہ نہیں لکھا گیا۔ ورنہ ان کے محاسن برعظیم پاک و ہند کی کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے کم نہیں۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ العزیز شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی شخصیت سے اہل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم نا واقف نہیں ہیں۔ آج سے چار سو سال پہلے تک ان کے مرتبہ کا کوئی عالم نہیں اور نہ شاید آج سے چار سو سال بعد تک کوئی پیدا ہوا۔

انہوں نے خود علامہ اقبال رحمہ اللہ اور دوسرے اکابر کے سامنے لاہور میں آپ کو "امیر شریعت" نامزد فرمایا۔ اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سبکو آپ کی متابعت کا حکم دیا کیا یہ کچھ کم فضیلت ہے؟

مولانا محمد علی جوہر کی شخصیت سے ارض پاک وہند کا بچہ بچہ واقف ہے۔ ان کی خطابت و قیادت دونوں مسلم الثبوت ہیں۔ مگر انہوں نے لاہور میں ایک موقع پر شاید دفتر "زمیندار" میں سب کے سامنے شاہ جی کے متعلق فرمایا کہ: "اس ظالم سے نہ پہلے تقریر کی جاسکتی ہے اور نہ بعد میں، اس کے بعد تقریر کرنے والے کا اثر جمتا نہیں، اور اس سے پہلے جو تقریر کرے اس کے اثر کو یہ آکر مٹا دیتا ہے"

مذہب و سیاست کی دو بڑی شخصیوں کی رائے کے بعد کسی تیسرے آدمی کی رائے لکھنے کی یہاں نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت بلکہ میرے نزدیک تو ان آراء کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ:

آفتاب آمد دلیل آفتاب!

سورج جب نکل آئے تو لوگوں سے کبھی یہ نہیں کہا جاتا کہ لو جی وہ سورج نکل آیا ہے۔ بلکہ ہر شخص اسے خود بخود دیکھ لیتا ہے اور کسی شخص کو اس کے وجود سے انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ اور تو اور نابینا لوگ بھی اگرچہ دیکھ نہیں سکتے مگر اس کی حرارت کو محسوس کر کے اس کے وجود سے منکر نہیں ہوتے۔

صرف ایک روایتی جانور یا پرند کے متعلق مشہور ہے کہ وہ سورج کو دیکھنا گوارا نہیں کرتا اگرچہ اس کی سزا میں سارا دن الٹا لٹکے رہنے کو بادل نخواستہ قبول کئے رکھتا ہے مگر ایسے شپرہ چشموں کا کوئی علاج بھی تو نہیں:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

"ابن الوقت" کا لفظ آپ نے سنا ہوگا۔ محاورۂ اردو میں ابن الوقت اس شخص کو کہا جاتا ہے جو "درمع الدھر کیف مادار" پر عمل پیرا ہو، اس کو ہر دیگ کا چمچہ اور ہر تھالی کا بینگن بھی کہتے ہیں۔ جو آپ کے ہاں آئے تو آپ کے ہاں میں ہاں ملائے اور آپ کے دشمنوں کے ہاں جائے تو ان کی ہاں میں ہاں ملائے۔ ابن الوقت کی ضد ایک اور لفظ ہے "ابوالوقت" جو بالکل اس کے خلاف معنی دیتا ہے۔ ابوالوقت اس شخص کو کہا جاتا ہے جو صاف صاف اپنی رائے رکھتا ہو اور دوسروں کی ہاں میں ہاں کبھی نہ ملائے۔

ابوالوقت کے معنی ہیں "وقت پر چھایا ہوا" ابن الوقت وقت اور ہوا کا رخ دیکھتا ہے۔ مگر ابوالوقت، وقت اور ہوا کو اپنے تابع بنا لیتا ہے۔ ابن الوقت پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتا رہتا ہے مگر ابوالوقت جدھر چاہے پانی کا رخ موڑ دیتا ہے۔ گو یہ اصطلاح عام نہیں مگر اہل علم کے ہاں غیر معروف بھی نہیں۔ ہر زمانے میں ہر علم و فن میں صرف ایک ابوالوقت ہوتا ہے اور باقی سب اس کے تابع و نقال ہوتے ہیں۔ گویا ہر زمانے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوالوقت تو ایک ہوتا ہے مگر ابن الوقت سینکڑوں ہزاروں ہوسکتے ہیں۔

زمانۂ حال میں شاعری کے ابوالوقت علامہ اقبال مرحوم تھے اور خطابت کے ابوالوقت عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری ہیں۔ جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ آج ہر شاعر اپنے الفاظ میں وہ ترکیبیں اور وہ بندشیں لاتا ہے جو علامہ اقبال لایا کرتے تھے بلکہ مضامین بھی تقریباً وہی لائے جاتے ہیں اور کوشش یہ کی جاتی ہے کہ لوگ ان کے اور علامہ کے کلام میں تمیز نہ کرسکیں۔ اور خواہش یہ ہوتی ہے کہ علامہ کے کلام کی طرح ان کا کلام بھی بلند پایہ اور مقبول عام ہوجائیں۔ اسی طرح آج ہر واعظ اور خطیب کوشش کرتا ہے کہ وہ بخاری کی طرح قرآن پڑھے، بخاری کی طرح وجد آور الفاظ اور سحر آفرین ترکیبیں استعمال کرے۔ بخاری کیطرح ترنم کے ساتھ (اگر میسر ہو ورنہ بغیر ترنم ہی سہی اور اگر غلط فہمی غالب ہو تو بد آوازی کے ساتھ بھی) اساتذہ کے چیدہ چیدہ اشعار سنائے۔ بخاری کی طرح تاریخی واقعات سے استناد کرے، بخاری کی طرح شواہد کو واقعات پر چسپاں کرے۔ بخاری کی طرح قرآنی آیات و الفاظ کے نئے نئے نکات بیان کرے۔ بخاری کی طرح مجمع کو کبھی کبھی مزاح لطیف کے چھینٹوں سے جگائے۔ اور کبھی ترنم کی لوریوں سے سلائے۔ غرض آج ہر خطیب اور ہر واعظ پر بخاری کا اثر ہے اور وہ ابوالوقت، اور تو اور ان لوگوں پر بھی چھایا ہوا ہے جنہیں علمی فضیلت و کمال کی بناء پر وہ اپنے اساتذہ کے برابر درجہ دیتا ہے۔ ہم نے ایک دو نہیں ایسے کئی بزرگ دیکھے ہیں جن کا ترنم واجبی ہے، مگر بخاری بننے کے شوق میں سارے کا سارا وعظ مترنمانہ انداز میں فرمارہے ہیں۔ حالانکہ بخاری کا کمال صرف بخاری کے ترنم میں نہیں بلکہ ان کے انداز خطابت میں ہے۔ بغیر قرآن و حدیث پڑھے اور بغیر ایک شعر سنائے بھی بخاری سے کامیاب تقریر سنی جاسکتی ہے۔ مگر ابنائے وقت کو (خواہ عملی طور پر وہ آبائے علم ہی کیوں نہ ہو) یہ بات سمجھانا تو بے سود ہے کہ وہ بخاری کی تقلید نہ کریں۔ کیونکہ ابنائے وقت کا تو کام ہی تقلید ہے۔

بخاری نہ ہوتے تو زمانہ حال کے اسی فیصدی بہترین خطیبوں کو فن تقریر سے منفی کیا جاسکتا تھا۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کی زبانوں پر الفاظ بخاری کے ہیں۔ اشعار بخاری کے انتخاب کردہ ہیں اور آیات و احادیث تک بخاری کی دی ہوئی ہیں۔ یہ وہ ہیں جنہیں لفظاً لفظاً بخاری کی تقریریں از بر ہیں اور اپنے اپنے مقام پر وہ ایسی زناٹے کی تقریر کرسکتے ہیں کہ آپ اگر بخاری کو نہ جانتے ہوں یا ان کی تقریر نہ سنی ہو تو براہ راست ان کی خطابت پر ایمان لے آئیں۔ ان میں کچھ وہ ہیں جنہیں آپ نقل مطابق اصل کہنے سے بھی باک نہیں کریں گے۔ اور کچھ ایسے ہیں جنہیں بخاری کا پاکٹ ایڈیشن کہا جاسکتا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے ایسے بھی ہیں جن کی نقل راہم عقل ہایدتک بھی رسائی نہیں۔ شعر صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ مگر بخاری بننے کے شوق میں غلط شعر ہی جھوم جھوم کر سنائے جارہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی جگہ پر اور سب کچھ ہوسکتے تھے لیکن اگر بخاری نہ ہوتے تو یہ واعظ یا خطیب ہرگز نہ ہوسکتے۔ اور یہ نہ سمجھئے کہ یہ بخاری کے حافظ (بخاری کی تقریروں کے حافظ) سب بخاری کے ہمنوا یا ہم صفیر ہیں۔ ان میں اکثریت بخاری کے مخالفوں کی ہے۔ بخاری کے الفاظ، بخاری کے انداز اور بخاری کے منتخب اشعار، بخاری کے خلاف استعمال کرنا یہ لوگ اپنے لئے قابل فخر سمجھتے ہیں۔ اپنے حلقۂ اثر میں اپنے انداز فکر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطابق وہ گویا بخاری کا جواب بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ بخاری نہ ہوتے تو ان کا وجود بھی موہوم ہوتا۔ آج جس طرح ہر بڑے شاعر کو داعیہ لاحق ہے کہ وہ کسی طرح علامہ اقبال سے بڑھا ہوا مانا جائے اور اس کام کے لئے ترکیبیں مضامین اور انداز بیان وہ اقبال ہی کا استعمال کرتا ہے اسی طرح ہر خطیب بخاری کو پڑھ کر (اس کی تقریریں سن کر اس کا انداز بیان چرا کر) بخاری سے بڑھنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ نفسیات کا کوئی ماہر اگر ایسے شاعروں اور خطیبوں کے دل ٹٹولے تو یقیناً وہ کچھ ایسی دبی دبی خواہشات کو ان کے دلوں سے نکال لائے گا جن میں شاعر انقلاب، شاعر اسلام، خطیب اسلام اور خطیب الامت بننے کا شوق پنہاں ہو۔ اقبال اور بخاری کی بڑائی کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟

سخن گوئی مشکل ہو یا نہ ہو سخن فہمی انتہائی مشکل کام ہے۔ آج برعظیم پاک و ہند کے کھنڈرات میں گھوم جایئے آپ کو ہر پرانی اینٹ کے نیچے سے ایک شاعر اور ایک مضمون نگار ضرور مل جائے گا، جو اپنے دعاوی کے لحاظ سے غالب کا جواب اور علامہ اقبال کی اصلاح دینے والوں میں سے ایک ہو گا۔ مگر ان میں ایک فیصدی تو کیا ایک فی ہزار بھی مشکل سے کوئی سخن فہم ہو گا۔ بقول سالک جو لوگ مسلسل دو سطریں اردو کی صحیح نہیں لکھ سکتے آج وہ سلطان القلم کہلاتے ہیں

تا بہ دیگراں چہ رسد؟

مگر اس قدر قحط الرّجال کے زمانے میں بھی آپ جب بخاری سے ملیں گے تو پہلی ہی ملاقات آپ کو یقین دلا دے گی کہ:

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

ان کی سخن فہمی اور سخن شناسی اس حد تک مسلّم ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان، عبدالمجید سالک اور پطرس بخاری وغیرہ بھی اس کا صرف اعتراف ہی نہیں کرتے بلکہ یہ لوگ آپ کی سخن فہمی اور بذلہ سنجی کے قدردانوں میں سے شمار ہوتے ہیں اور جب بھی موقع میسر ہوتا یا تو یہ لوگ بخاری کی محفل تک پہنچنے کی کوشش کرتے یا بخاری کو اپنے پاس لے جاتے اور پھر وہ محفل جمتی جس کی نظیر شاید سلف و خلف میں کہیں نہ مل سکے مگر:

یہ باتیں ہیں تب کی جب آتش جواں تھا

بخاری کی محفل اگرچہ اب بھی جمتی ہے اور وہ تو سدا بہار پھول ہے کہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے کھلا ہی رہتا ہے مگر اس کی محفل کی خوشہ چینی کرنے والے اب یا تو میرے جیسے کم سواد طالب علم رہ گئے ہیں یا عوام کالانعام کا وہ گروہ ہے جو اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے ہر وقت شاہ جی کے گرد جمع رہتا ہے۔ گردو گرما گدا و گورستان کی سرزمین میں لاہور، امرتسر اور دہلی کی شادابیاں کہاں سے پیدا ہو جائیں:

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

اور آج بخاری کی شکل میں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

ہم جملہ عقیدت مندوں کی طرح مدت العمر شاہ جی کو ایک بے مثال خطیب اور بے نظیر سخن فہم بزرگ سمجھتے رہے مگر ایک دن بیٹھے بٹھائے دفعتہً ہمیں معلوم ہوا کہ شاہ جی شاعر بھی ہیں۔ اور ندیم تخلص فرماتے ہیں۔ سچ جانئے کہ آسمان پھٹ پڑتا اور ہم اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو زمین پر گرتا ہوا دیکھ لیتے تو ہم کو اتنا تعجب نہ ہوتا جتنا یہ سن کر تعجب ہوا کہ شاہ جی بھی شاعری فرماتے ہیں۔ یہ تعجب اس بناء پر نہیں تھا کہ شعرو سخن کوئی عالم بالا کی چیز تھی اور وہاں تک شاہ صاحب کی رسائی نہیں تھی۔ بلکہ یہ استعجاب:

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

کی اقسام میں سے تھا۔ یہ تو ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سخن گوئی سے سخن فہمی زیادہ مشکل ہے اور شاہ جی جب سخن فہموں کے بھی سردار ہیں تو سخن بھی ان کے مرتبہ سے فروتر بات ہے۔ مگر اس فروتر بات میں بھی اس قدر پختگی، بلندی اور چستی ہو گی اس کا ہمیں گمان تک بھی نہیں تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے شعر گوئی کی طرف عمداً اور ارادةً توجہ نہیں فرمائی اور جس طرح ہمیں دفعتہً معلوم ہوا کہ وہ شاعر ہیں۔ خود انہیں بھی اچانک واردات کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ سخن فہمی کے ساتھ ساتھ سخن گوئی کے جراثیم بھی ان کے اندر پائے جاتے ہیں۔ مگر شکر کیجئے کہ بحیثیت فن انہوں نے اس کو اختیار نہیں فرمایا۔ ورنہ بڑے بڑوں کے نام ان کی سخن وری کے سامنے "چھوٹو رام" ہو کے رہ جاتے ان کی زندگی بازی گاہِ سیاست میں جس نہج پر گزری اس کے متعلق کبھی میں نے کہا تھا:

صبحدم ریل میں گزرتی ہے
شب کسی جیل میں گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو اس کھیل میں گزرتی ہے

اور اسے تفنن نہ خیال فرمایئے بلکہ یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنی خداداد نعمت (خطابت) کے لشکر میں کراچی سے کلکتہ اور گلگت سے بمبئی تک سارے برِ عظیم پاک و ہند میں گاؤں گاؤں، شہر شہر، اور کونے کونے کا سفر کر ڈالا، اور ہر جگہ لوگوں کو آزادی وطن خواہی اور مغربیت سے ایمان و اسلام کو بچا لینے کا درس دیا۔ یہ کام اس قدر وسیع تھا کہ انہیں اس کے سوا کسی دوسری طرف توجہ فرمائی کا موقع ہی نہ مل سکا۔

پھر تعجب بالائے تعجب اس وقت ہوا جب یہ معلوم ہوا کہ شاہ جی کے فاضل فرزند حضرت ابوذر بخاری نے موتیوں کے ان بکھرے ہوئے دانوں کو بڑے سلیقہ سے ایک سلک میں پرو کر بازار کساد و فساد میں پیش کرنے کا ارادہ فرما لیا ہے۔ اور پھر اس مشک نافہ کے لئے عطار کے فرائض مجھ ہیچمدان و ہیچ میرز کو ادا کرنے ہونگے۔ اب:

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے تو یہ خیال آیا کہ تعارف میں صرف سعدی کے الفاظ لکھ دوں "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" مگر پھر خیال ہوا کہ عطاروں کے بازار میں تو یہ بات کہتے ہوئے کوئی حرج نہیں اور جس بازار میں حضرت ابوذر اپنا یہ گنجینۂ زر پیش کرنے والے ہیں وہاں:

شناسا نہیں کوئی بھی اس ہنر کا

پھر اس کے ساتھ خطرہ یہ بھی ہے کہ کچھ کہنے کے ساتھ کہنے والے کا بھرم بھی کھلتا ہے۔ شاہ جی فرمائیں گے:

شعر مرا بمدرسہ کہ برد؟

اور اہل نظر کہیں گے:

سخن فہمیٔ عالم بالا معلوم شد!

بہت سوچا اصطلاحات کا سہارا لینے کو جی چاہا اور معاً غالب کا شعر دماغ میں گھومنے لگا:۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ، ساغر کہے بغیر

دل کو ایک گونہ تسلی ہوئی اور شاہ جی کے کلام کو دیکھنے بیٹھ گیا کہ آب بادہ و ساغر کی اوٹ میں بہت کچھ لکھ لوں گا۔ ورق الٹا، نظر ڈالی تو سب سے پہلے شاہ جی کے اس شعر پر جا پڑی

گر ہو دواءِ عشق کی تلخی نصیبِ عقل
بنتی ہے پھر تو بادہ و ساغر کہے بغیر

پڑھتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اصطلاحات کا سہارا ہباء منثوراً ہو گیا اور ضمیر نے کہا اب لکھو اور میں اس سوچ میں پڑھ گیا کہ غالب کے بعد غالب کی زمینوں میں پہلے تو بہت کم لکھا گیا اور تھوڑا بہت جو لکھا گیا وہ عموماً کامیاب نہیں رہا۔ "جواب آں غزل" کا دور غالب کے ساتھ ہی ختم ہو گیا

ایں جواب آں غزل غالب کہ صائب گفتہ است

لیکن اگر شاہ جی اس شعر کے جواب کی بجائے جواب آں غزل لکھ ڈالتے تو کیا کامیاب نہ ہوتے؟

دوسرے صفحے پر نگاہ پڑی تو فارسی کی ایک نعت سامنے آگئی جس کا مطلع ہے:

ہزار صبح بہار از نگاہ می چکدش
جنوں زپیچش زلف سیاہ می چکدش

مطلع پڑھتے ہی ایک بہت پرانا واقعہ ذہن پر چھا گیا۔ اور دل نے گواہی دی کہ یقیناً یہ نعت اس واقعہ کے بعد ہی ہوئی ہوگی۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک بار میں نے شاہ جی کی ایک تقریر سنی یوں تو ہر تقریر خطابت کا شاہکار ہوتی ہے مگر اس تقریر کا رنگ ہی کچھ اور تھا۔ تقریر تقریباً ساری رات جاری رہی مگر ہزاروں کے مجمع میں سے ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جسے کوئی داعیہ تقریر میں سے اٹھا کے لے گیا ہو۔ شاہ جی کا چہرہ جلال و جمال کا مرقع بنا ہوا بجلی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روشنی میں آفتاب کی طرح چمک رہا تھا مجھے اس موقع پر پرانے کسی استاد کی رباعی یاد آگئی:

از سخن شہد ناب می چکدش
وز تبسم گلاب می چکدش
می تواں گفت کرکز حرارت مے
از جبیں آفتاب می چکدش

میں نے ایک لفظ کی تبدیلی سے اسے شاہ جی پر چسپاں کر دیا:

از سخن شہد ناب می چکدش
وز تبسم گلاب می چکدش
می تواں گفت کز حرارتِ وعظ
از جبیں آفتاب می چکدش

اور پاس بیٹھے ہوئے ایک دوست کو سنا دی۔ وہ تڑپ اٹھا اور بار بار رباعی کے مصرعے دہراتا اور شاہ جی کو دیکھتا۔ بعد میں یہ یاد نہیں کہ میں نے یہ رباعی خود یا اس دوست نے شاہ جی کو سنائی۔ اگرچہ آپ نے ہماری اصلاح تو قبول نہ فرمائی۔ مگر رباعی کو بہت پسند فرمایا۔ لکھ لی، اپنی عادت کے مطابق جھوم جھوم کر کئی بار سنائی۔ ہمارے لئے سب سے بڑی خوشی اس بات کی تھی کہ لو جی! ایک چیز تو ہم بھی ایسی نکال لائے جو اب تک شاہ جی کے ذخیرۂ انتخاب میں نہیں تھی۔ ورنہ عموماً یہ ہوا کہ ان کی محفل میں کوئی شعر پیش کرو تو اس کے ساتھ کے دو تین شعر اور سنا ڈالتے ہیں اور دل نے ابتہاجاً یہ کہا کہ اس رباعی کے ساتھ ساتھ اب تمہارا نام بھی شاہ جی کے دل میں محفوظ ہو گیا اتنے سے تقرب پر بھی اس قدر نشہ چھا گیا کہ بس کچھ نہ پوچھئے:

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

مگر یہ بات ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ اس رباعی کا کچھ جواب بھی ہو سکتا ہے اور وہ بھی اتنا عمدہ اور بلند پایہ۔ کسی بڑے سے بڑے سخن فہم کے سامنے یہ نعت پڑھ جایئے اور پوچھئے کہ یہ کس کا کلام ہو سکتا ہے تو جواب یہی ملے گا کہ کسی پرانے استاد کا کلام ہے۔ سبحان اللہ دیکھئے تو سہی!

چمن چمن گل و نسریں زعکسِ رخ ریزد
سبد سبد گل خنداں زراہ می چکدش

خندۂ نمکیں اور چشم سیاہ کی فتنہ انگیزیاں ملاحظہ ہوں۔ الحفیظ والاماں!

چہ شور ہاست بجانم زخندۂ نمکیں
چہ فتنہ ہا کہ زچشم سیاہ می چکدش

صفاتِ حق کی جلوہ نمائی کا بیان آپ نے بہت پڑھا ہو گا مگر ذات و صفات کے شاہد اور گواہ آپ نے بہت کم دیکھے ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چہ گفتگو چہ تبسم شہادتے بحدوث
زنور چہرہ قدم را گواہ می چکدش

اس نعت کے ساتھ ساتھ یہ نعت بھی ملاحظہ فرمایئے اور ہو سکے تو سخن فہموں کے ہاں اسے جامی علیہ الرحمتہ کی طرف منسوب کر کے سنا دیجئے ان شاء اللہ ان میں سے کوئی ایک بھی آپ سے یہ نہیں کہے گا کہ یہ نعت جامی کی نہیں ہو سکتی!

لولاک ذرہ زجہان محمد است
سبحان من یراہ چہ شانِ محمد است
سیپارہ کلامِ الٰہی خدا گواہ
آں ہم عبارتے ز زبان محمد است
نازد بنام پاک محمد کلام پاک
نازم باں کلام کہ جانِ محمد است
توحید را کہ نقطۂ پرکار دینِ ماست
دانی؟ کہ نکتۂ زبیانِ محمد است

وہی جامی کا سوز و گداز، وہی بیان کی پختگی و شستگی، وہی انداز و طرز بیان کون سی چیز ایسی ہے جو جامی کے ہاں ہو اور یہاں نہ ہو؟ وحدت الوجود کا بیان شاہ جی کی زبانی سنئے:

وحدت بوجود حالتِ کثرت در آمدہ
حرکت بجلوہ، جلوہ بحرکت در آمدہ
موسیٰ و طور و وادیٔ ایمن، حراء، حرم
ہر جا کہ دیدہ ایست، بحیرت در آمدہ

یہ وہ جاہلانہ وحدت الوجود نہیں جہاں عیسائیوں کی طرح "تین میں ایک اور ایک میں تین" کی بجائے "دو میں ایک اور ایک میں دو" یا "ایک میں سب اور سب میں ایک" کہا جاتا ہے۔ بلکہ یہ وہ عالمانہ وحدت الوجود ہے، نہ جس کے سمجھنے میں دقت پیش آئے نہ جسے ماننے میں کوئی امر مانع ہو۔ وحدت کو وجد آیا تو اس نے اپنی صفات کے مظاہر کو پھیلا دیا۔ ذات نے صفات کی جلوہ نمائی کی، اور جلوۂ ذات متحرک ہوا۔ دیدۂ بینا جہاں جہاں تھی وہ حیران رہ گئی۔ اردو میں وحدت الوجود کا مسئلہ آپ نے صرف ایک شعر میں بیان فرمایا ہے۔ زبان و بیان دیکھئے کس قدر صاف اور تعبیر کتنی دلکش ہے!

ذروں سے تا بہ مہر ستاروں سے تا چمن
عکسِ جمالِ یار کی تابندگی ہے دوست!

شاہ جی کی چار پسندیدہ چیزیں ملاحظہ ہوں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بخت اگر رسا شود، دست دہد سبوئے خویش
از نگہ سمن برے لالہ رخے نکوئے خویش
باغ و بہار ماندیم یعنے کہ جنت النعیم
روئے خوش است و خوئے خوش، بوئے خوش و گلوئے خوش

غنیمت کنجاہی نے اپنی مثنوی میں پنجاب کی تصویر کشی کی ہے۔ اور شاہ جی نے اس تصویر کا دوسرا رخ اسی زمین میں پیش کیا۔ دونوں ساتھ ساتھ ملاحظہ ہوں:

غنیمت

ندیدم کشورے غارت گر تاب
بہ خوبی ہائے حسن آباد پنجاب
چہ پنجاب انتخاب ہفت کشور
قسم خودہ بخاکش آبِ کوثر
فضائے نشۂ ہستی ہوایش
زمینے کا سمانہا خاک پایش
بنائے کعبۂ دلہا زخاکش
عروج نشۂ معنی زتاکش
غبارش آب و رنگِ چہرۂ گل
گیا ہش دلربائے زلف سنبل
بہر جا سبزہ از خاکش دمیدہ
رخ خوباں بہ پشتش خط کشیدہ
زلالش بادۂ ساز مستیٔ عشق
نسیمس روح بخش ہستیٔ عشق
گلش برخاک ہر جا سایہ انداخت
زمیں از آتش یاقوت بگداخت
بہ خاکش سایۂ پر ہائے بلبل
جو اب یک چمن خندیدن گل
شفق سرمایۂ چشم از دیدنِ گل
چمن ساماں نگہ از چیدن گل

© rasailojaraid.com

زا شوق آں کہ تا آمد بہ پنجاب
دلِ کشمیر صدرہ می شود آب
خنک آنکس کہ در ہنگام سرما
دریں گلشن بود گرم تماشا

شاہ صاحب

ندیدم کشورے مردود و مرتاب
بشو میہائے کفر آباد پنجاب!
چہ ملکے ننگ و عار ہفت کشور
زشرق و غرب بادش خاک برسر
خمیر طینتش مردم کشیہا
زقتل مسلمش باشد خوشیہا
چہ پیرانش مریدان فرنگی
لقب کافور و ذات پاک زنگی
زنواب و رئیسانش چہ پرسی
سگ و سگ زادگان کرسی بہ کرسی
چناں فرزند نا ہموار زاید،
کہ از خر قیمتش برتر نیاید!
چکد از لالہ اش خونِ مسلماں
ازو نالاں حجاز و مصر و ایراں
جوانانش غلامان فرنگی
پناہ شان بد امان فرنگی
چہ پنجاب آں فرنگی را معسکر
معسکر را غلام احمد پیمبر
ضلالت را پیمبر ہست پنجاب
فرنگی را معسکر ہست پنجاب
فضائش کفر ریز و کفر بیز است
بآئین الہیٰ در ستیز است

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمین فتنہ زائے فتنہ خیزے
کہ شیطاں پیش پالش سجدہ ریزے

دونوں رخ کس قدر صحیح اور درست ہیں۔ غنیمت نے جغرافیائی اور عمرانی رخ کا جائزہ لیا ہے اور شاہ جی نے پنجاب کے اس زمانے کا سیاسی رخ دکھایا ہے جب انگریز یہاں قابض و حاکم تھا۔ دونوں نظمیں عنقریب تاریخ کا باب بننے والی ہیں اور مستقبل کا مورخ بتلائے گا کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر کس قدر صحیح منظر کشی کرتی ہیں۔

چند نظمیں اردو میں اکبر کے رنگ کی بھی موجود ہیں جن میں مزاح اور تفنن ہے اور انہیں پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر شاہ جی خارزار سیاست سے دامن نہ الجھا لیتے تو موجودہ وقت میں اکبر کے صحیح جانشین ہوتے اور جب اتنا اور اس میں اضافہ ہو جائے کہ ان کی اکثر نظمیں فی البدیہہ کہی ہوئی ہیں تو اور بھی ان کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ یہ یاد رہے کہ غالب کی طرح شاہ جی بھی یہ کہنے میں حق بجانب ہیں

کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

نہ یہ اشعار اس بناء پر انہوں نے لکھے ہیں کہ واقعی وہ شعر لکھ رہے ہیں اور نہ فن کو انہوں نے کبھی اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ ان کی حیثیت محض تبرکات اور تاریخ کے گم ہو جانے والے اوراق کے لئے صرف "یادداشت" کی ہے اور بس!

خداداد خطابت میں جو کام شاہ جی عمر بھر کرتے رہے اس کا خلاصہ دو باتوں میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ حضور خواجۂ دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء۔

۲۔ اور حضور کے دشمنوں سے دائمی نہ ختم ہونے والا جھگڑا۔

شاہ جی کی شاعری کا سرمایہ بھی یہی دو باتیں ہیں اور یہ آفتاب کو چراغ دکھانے کا سلسلہ میں آپ کے چند نعتیہ نشتروں کو پیش کر کے ختم کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ آپ براہ راست نور آفتاب سے مستنیر ہو سکیں۔ چراغ تلے تو آپ کو معلوم ہے ہمیشہ اندھیرا ہی ہوتا ہے اور دیر تک اندھیرے میں بھٹکنا بھی کچھ بھلے لوگوں کا کام نہیں۔

نعت کا مطلع ملاحظہ فرمائیں

جلوہ ایست کہ آسودہ در بر خاک است
کہ ذرہ ذرہ طرب ریز د بس طربناک است

دوسرے مطلع کی بلندی دیکھئے!

بیا کہ باتو سخنہاز حرف لولاک است
بیا کہ باتو حکایت ز قدر افلاک است

نعت گو شاعروں کے ہاں حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کا بیان عام ہے۔ اور ہر شخص حضور کی مدح و ثناء میں اس کا ذکر کرتا ہے۔ مگر کسی نے آج تک اس کی یوں تجزی نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے ماخلقت الارض

© rasailojaraid.com